جوزف شاخت اور تصور سنت

اسائنمنٹ برائے ایم فل، سیکنڈ سمسٹر (علوم اسلامیہ)

سیشن: 2015 – 2017ء

اعداد:

حسن الرحمن تقوی:26

طالب علم شعبہ علوم اسلامیہ

مشرف:

ڈاکٹر غلام شمس الرحمن صاحب

پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

تمہید:

عمل میں تحقیق میں ایک اصول مسلم مانا جاتا ہے کہ کسی بھی محقق کو اپنی تحقیق میں بالکل حقیقت پسند رہنا ہوتا ہے اور اس چیز کو تحقیق کی زبان میں معروضیت کہتے ہیں۔ معروضیت کا ہونا بھی تحقیق کو موثر بنا سکتا ہے اور اسی طرح اس کا نا ہونا کسی بھی تحقیق کو غیر موثر بنا سکتا ہے۔

لیکن جب بات خصوصی طور پر استشراقی تحقیق کی ہو تو اس میں ہمیں معروضیت پسند رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اس کی چند ایک وجوہات ہیں۔

1. استشراق میں چونکہ مشرقی علوم کا مطالعہ ہوتا ہے اور اسلام انہیں علوم میں شمار کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اب علوم شرقیہ کا مطالعہ کرنا ہو تو اسلام کا اس میں شامل ہونا ایک لازمی امر ہے۔

   جبکہ میں محقق بعد میں بنا پہلے مسلمان پیدا ہوا، اور مسلمان ہونے کے ناطے میں چند نشانیوں کے بعد بہت سے ایسی چیزوں کو تسلیم کر چکا ہوں جنہیں میں پورے طریقے سے جانتا بھی نہیں ہوں، اور میرے نزدیک یہ میرے ایمان کا تقاضا بھی ہے۔

   تو اسلام کے حوالے سے اسی لئے شاید مجھ میں سبجیکٹیوٹی کا وجود ہونا لازم ہے۔

2. دوسری بات یہ کہ تقریبا سب مستشرقین کا تعلق مغرب ہی سے ہے۔ جہاں تک میرے مکمل پہنچ نہیں ہے۔ انٹرنیٹ نے دنیا کو جوڑ دیا ہے۔ میں انٹرنیٹ سے ان کے بارے میں معلومات حاصل تو کر سکتا ہوں لیکن ایک تو اصول کہ "لیس الخبر کالمعاینة" اور دوسرا میں وہاں کبھی گیا نہیں، ان کی تاریخ کا باغور مطالعہ نہیں کیا اور ذاتی طور پر ان کی تہذیب و تمدن کا ادراک نہیں رکھتا۔ لیکن ان سب کے باوجود میری کوشش ہو گی کہ زیادہ سے زیادہ معروضیت پسند رہوں۔

مستشرقین کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں چند اور چیزوں پر بھی غور درکار ہوتا ہے۔

- یورپ کی تاریخ
- ان کا مشرق سے تعلق ماضی کے اعتبار سے
- ان کی مشرق کے بارے میں سوچ اور اسکی وجہ
- یورپ میں غالب مذہب اور اس کی تاریخ

- موجودہ دور میں مشرق اور مغرب کا باہمی تصادم اور دوستی
- مغرب کا جغرافیائی مطالعہ اور اس کا تاریخی پس منظر
- مستشرقین کی اقسام (یہود، عیسائی، متشککین اور ملحد)

مستشرقین نے جب اسلام کا مطالعہ کیا تو جہاں انہوں نے بہت بڑے اور گراں قدر علمی کارنامے کئے وہیں پر اسلام میں شک پیدا کرنے والے کئی سوالات میں بھی اضافہ کر دیا۔ انہیں میں سے ایک مستشرق جس کا نام جوزف شاخت ہے۔ اب ہم اس ہی کے بارے میں پڑھیں گے۔

جب اسلام پوری دنیا میں تیزی سے پھیلنے لگا اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھنے لگی تو لوگ جوق در جوق آغوش اسلام میں پناہ لینے لگے۔ اسلام کی حقانیت اور اس کی روشن تعلیمات عوام کے دلوں کو مسخر کرنے لگی اور سارا عالم عظمت اسلام کا قائل ہونے لگا۔ اس کے حیات آفریں پیغام نے دیگر ادیان و مذاہب اور اقوام و ملل کے ضابطہ حیات اور ان کی تعلیمات کی کشش و جاذبیت کو ختم کر دیا۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی کہ اس وقت کے مذاہب کے تمام دعوے انسانی سماج کے لیے کھوکھلے اور ناکارہ ثابت ہو رہے تھے۔ حیات انسانی میں پیش آمدہ مسائل کا تشفی بخش حل ان کے پاس موجود نہ تھا۔ ایسے موقع پر اسلام نے مسیحائے انسانیت کا اہم فریضہ انجام دیا اور اپنے آپ کو سب سے بہتر ضابطہ حیات انسانی کے طور پر پیش کیا لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف دشمنان اسلام بالخصوص یہود و نصاریٰ نے اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی تعلیمات میں شکوک و شبہات اور اعتراضات کی بوچھار کر دی۔ ان کا یہ طرز عمل نیا نہیں تھا بلکہ اسلام سے ازلی و ابدی دشمنی پر مبنی تھا۔ انہیں یہ کب گوارا کہ اسلام ہم پر غالب رہے۔ قرآن کہتا ہے:

> وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاء هُم بَعْدَ الَّذِيْ جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيْرٍ [1]

[1]۔ القرآن الکریم، سورۃ البقرہ: ۱۲۰، اس موضوع پر قرآن کریم کی دیگر آیات ملاحظہ فرمائیں، المائدۃ: ۵۱، حم السجدۃ: ۲۶، آل عمران: ۷۲، النساء: ۱۵۰

"آپ سے یہود و نصاریٰ ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کے
مذہب کے تابع نہ بن جائیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور
اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی
تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہو گا اور نہ مددگار"

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی ابتدائی ایام سے ہی جاری رہی ہے۔ اگرچہ خطوط کار، طریقہ کار اور لب و لہجہ کو حالات کے مطابق بدلا گیا ہے لیکن بنیادی مقاصد کو بروئے کار لانے میں کبھی کوئی تبدیلی گوارا نہیں کی گئی۔ مذہب اسلام اور اس کی جملہ تعلیمات کو یہودیت و عیسائیت کے لیے سم قاتل قرار دیا گیا۔ اور اسے قتل و غارتگری کرنے والا مذہب تصور کیا گیا۔ عداوت کی یہ آگ اس قدر بھڑکائی گئی کہ اسلام کو اس صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے صبح و شام جنگی اسکیمیں بنائی جانے لگیں اور یہیں سے صلیبی جنگوں (Crusade Wars[2]) کا سلسلہ دراز شروع ہوجاتا ہے۔ معروف محقق ارنسٹ بارکر (Ernest Barker1874-1960[3]) نے ابتدائی صلیبی جنگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ پوپ اربن دوم (Pope Urban II[4])نے صلیبی جنگ کی تبلیغ کی اور اس جنگ کو "کفار" کے خلاف جذبہ جہاد قرار دیا۔[5] مذہبی ایوان سے پوپ نے اسلام کے خلاف جنگ کی کمان اپنے ہاتھوں میں لی۔ عالم عیسائیت کے مذہبی پیشوا اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہم عالم اسلام کا مقابلہ فوجی و عسکری نظام قائم کر کے ہی کر سکتے ہیں اسلام کو عیسائیت کا دشمن خاص قرار دیا جا چکا تھا۔ یورپ کی

---

[2]۔ 1095ء سے 1291ء تک ارض فلسطین بالخصوص بیت المقدس پر عیسائی قبضہ بحال کرنے کے لیے یورپ کے عیسائیوں نے کئی جنگیں لڑیں جنہیں تاریخ میں "صلیبی جنگوں" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ جنگیں فلسطین اور شام کی حدود میں صلیب کے نام پر لڑی گئیں۔ صلیبی جنگوں کا یہ سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا اور اس دوران نو بڑی جنگیں لڑی گئیں جس میں لاکھوں انسان قتل ہوئے۔ فلسطین اور بیت المقدس کا شہر حضرت عمر کے زمانہ میں ہی فتح ہو چکا تھا۔ یہ سرزمین مسلمانوں کے قبضہ میں رہی اور عیسائیوں نے زمانہ دراز تک اس قبضہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ گیارھویں صدی کے آخر میں سلجوقیوں کے زوال کے بعد دفعتاً ان کے دلوں میں بیت المقدس کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ ان جنگوں میں تنگ نظری، تعصب، بدعہدی، بداخلاقی اور سفاکی کا جو مظاہرہ اہل یورپ نے کیا وہ ان کی پیشانی پر شرمناک داغ ہے۔

[3]۔ ایک انگریز سیاستدان جو کہ 1920 سے 1927 تک کنگ کالج لندن کے پرنسپل رہا۔

[4]۔ پوپ اربن دوم (1099ء-1042ء) (اصلی نام :اوڈوڈی لاگری (وہی شخص تھا جس نے بیت المقدس کو مسلمانو سے حاصل کنے کیل ئے مسیحی لوگوں کو آمادہ کیا۔ وہ فرانس کے شہر چاٹیلن سرمانے میں پیدا ہوا۔

[5]۔ میراث اسلام، مرتبہ سر تامس ارنلڈ و الفریڈ گیام (حروب صلیبیہ: ارنسٹ بارکر) اردو ترجمہ عبدالمجید سالک، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۰، ص ۶۳

عیسائی حکومتیں متحد ہو کر پوپ اربن ثانی کی اپیل پر اسلامی مشرقِ وسطیٰ سے مسلسل دو سو سال تقریباً1096 سے1296 تک بر سرِ پیکار رہیں اور جن کا ظاہری مقصد مقامات مقدسہ کو مسلمانوں کے قبضے سے چھیننا تھا۔ بعض مستشرقین مثلاً: ([6] گروسیہ Grousset) نے اس اصطلاح کو وسیع تر مفہوم دینے کی کوشش کی ہے اور ملت اسلامیہ سے ہر تصادم کو صلیبی جنگوں کا نام دیا ہے [7]۔ گروسیہ کی یہ رائے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والی ہر جنگ صلیبی جنگ کہلائے گی ایسا نہیں ہے فلپ کے حتی(P.K.Hitti1886-1978) کے الفاظ میں ان لڑائیوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں حصہ لینے والے سپاہی اپنے سینوں پر بیاج کے طور پر صلیب لٹکایا کرتے تھے [8]۔ تیرہویں صدی تک یورپ اس خوش فہمی میں نظر آتا ہے کہ وہ جنگ و جدل کے ذریعہ اسلام کا وجود اس صفحہ ہستی سے مٹادے گا۔ اس نے ہر طریقے سے اپنی توانائیاں صرف کیں لیکن جب طویل جدوجہد کے بعد اسے اپنے عزائم و مقاصد اور سازشی اسکیموں میں کامیابی نہ ملی تو پھر تلوار اور میدان جنگ کے بجائے قلم اور علمی و تحقیقی اکیڈمیوں کے قیام پر زور دیا گیا۔ یہیں سے یورپ میں باقاعدہ اسلام پر لکھنے والوں کی ایک تحریک وجود میں آتی ہے۔ جسے تحریک استشراق([9]Orientalism) کا نام دیا گیا۔ جس نے اس تحریک میں حصہ لیا اسے مستشرق(Orientalist) کہا گیا۔ اردو زبان میں مستشرق (وہ فرنگی جو مشرقی زبانوں اور علوم کا ماہر ہو) [10] کا لفظ عام طور سے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ فارسی زبان میں استشراق کو شرق شناسی یا خاور شناسی کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں "Orientalism" کی اصطلاح رائج ہے [11]۔ مستشرقین

---

[6]۔ ایک فرانسیسی تاریخ دان(5 September 1885 – 12 September 1952)

[7]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ صلیبی جنگیں اظہر ظہور احمد، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۳ء ج ۱۲، ص ۲۰۹

[8]۔ تاریخ عرب، فلپ کے حتی، ترجمہ سید مبارز الدین رفعت، محمد معین خاں البلاغ پبلیکشنز نئی دہلی اپریل ۲۰۰۷، ص

[9]۔ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) دونوں اصطلاحیں ہیں، یہ اصطلاحیں لفظی لحاظ سے بہت پرانی نہیں ہیں، انگریزی زبان وادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنون میں اٹھارویں صدی کے آواخر میں شروع ہوا۔ تحریک استشراق صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔ اربری کہتا ہے کہ مستشرق کا لفظ پہلی بار 1630 میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔ انگلستان میں 1779 کے لگ بھگ اور فرانس میں 1799 کے قریب مستشرق کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی اس نے رواج پایا۔ سب سے پہلے 1838 میں فرانس سے شائع ہونے والی لغت میں استشراق کی اصطلاح درج کی گئی۔

[10]۔ فیروز اللغات اردو جدید الحاج مولوی فیروز الدین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۹۲، ص ۶۳۲

[11]۔ آشنايي با استشراق واسلام شناسی غربیان، ڈاکٹر محمد حسن زمانی انتشارات بین المللی المصطفیٰ، قم ایران چاپ اول ۱۳۸۸ش/۱۴۳۰ق

کی تحریروں کا اگر غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے عالم مشرق میں فکر اسلامی اور اسلامی تہذیب پر جتنا لکھا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے موضوع پر نہیں لکھا ہے۔ اس لیے کہ مستشرق کی جو ایک خاص اصطلاح رائج ہے وہ دراصل اسلام اور مسلمانوں سے وابستہ ہے۔ گردش زمانہ نے جسے ایک منظم تحریک کی شکل میں ڈھال دیا۔ اگرچہ اس تحریک کو جلا بخشنے کے لیے دیگر مشرقی اقوام و ملل اور ان کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن، پر بھی وقتاً فوقتاً خامہ فرسائی کی جاتی رہی ہے تاکہ مستشرقین، قارئین کو یہ باور کرا سکیں کہ ہماری تحقیقات و تصنیفات کسی مذہبی، سیاسی، اقتصادی یا مشنری مقاصد کی خاطر نہیں ہیں بلکہ یہ محض شوق علم جذبہ بحث و تحقیق اور مشترکہ ثقافت کو فروغ دینے سے وابستہ ہیں۔ نامور الجزائری مفکر و محقق (مالک بن نبی)[12] 1905-1973 کی رائے اس سلسلے میں بڑی درست معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں ''مستشرقین سے ہماری مراد وہ مغربی اہل قلم ہیں جو اسلامی فکر اور سلامی تہذیب پر خامہ فرسائی کرتے ہیں''[13]۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عرب محققین نے استشراق اور مستشرقین کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں نمایاں نام احمد حسن الزیات، محمد عبدالغنی، ڈاکٹر احمد عبدالرحیم السایح وغیرہ ہیں۔ مغربی اسکالروں کی بھی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند اہم نام جیسے اے جے آربری (A.J.Arberry[14] 1905-1969) روڈی پارٹ (Rudi Paret 1901-1983) ایڈورڈ سعید (Edward W.Said 1935-2003) اور میکسیم روڈنسن (Maxime Rodinson 1915-2004) وغیرہ کے ہیں تحریک استشراق کے رمز شناس اور معروف محقق ایڈورڈ سعید (Edward W.Said) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "Orientalism" میں لکھتے ہیں:

Orientalism is not only a positive doctrine about the orient that exists at any one time in the West, it is also an

---

[12]۔ بیسویں صدی کے ایک عربی اسلامی مفکر۔

[13]۔ انتاج المستشرقین واثرہ فی الفکر الاسلامی الحدیث، مالک بن نبی، دار الارشاد، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۶۹ء ص ۵

[14]۔ آرتھر جان ایربری (12 May 1905 in Portsmouth – 2 October 1969) عربی، فارسی اور اسلام کے علوم کو جاننے والے ایک مستشرق تھے۔

influential academic tradition (when one refers to an academic specialist who is called an Orietalist)"[15]

(استشراق ۔۔شرق کے بارے میں محض ایک مثبت نظریہ سے عبارت نہیں ہے جو کبھی مغرب میں موجود رہا ہو بلکہ یہ ایک موثر علمی روایت بھی ہے۔(جب کوئی ایسے ماہر تعلیم کا حوالہ دیتا ہے تو اسے مستشرق کہا جاتا ہے)

میکسیم روڈنسن کی تحقیق کے مطابق استشراق کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

The term Orientalist appeared in English around 1779 " and in French in 1799. The French form Orientalisme, Found a place in the Dictionaire de l' Acadmie francaise of 1838. The Idea of a particular discipline devoted to the study of the "Orient" was taking shape" [16]

"مستشرق کی اصطلاح انگریزی زبان میں 1779 میں اور فرانسیسی زبان میں 1799 کے دوران سامنے آئی۔ فرانسیسی زبان میں لفظ "Orientalisme" 1838 میں " Dictionaire de l Academie francaise"میں شامل ہوا۔اس طرح سے مطالعہ شرق سے متعلق مخصوص شعبہ کا تصور جنم پایا"

میکسیم روڈنسن کی ریسرچ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استشراق کی اصطلاح اٹھارویں صدی میں منظر عام پر آئی جب کہ اس تحریک کے جو بنیادی اور اولین مقاصد تھے وہ بہت پہلے سے انجام دیے جاتے رہے ہیں۔

---

[15] Orientalism, Edward W. Said, Penguin Books India Pvt Ltd, NewDelhi 2001 p203

[16]. Europe and the Mystique of Islam, Maxime Rodinson Translated by Roger veinus,IB,Tauris & co Ltd.London 2002 p57

تحریک استشراق کے حوالے سے بیسویں صدی عروج وکمال کی صدی ثابت ہوئی اس دور میں تحقیقات اسلامی کا کام جن مستشرقین نے کیا ان کی ایک طویل فہرست ہے البتہ ان میں چند مشہور نام یہ ہیں۔ سر تھامس ارنلڈ (Sir Thoms Arnold[17] 1864-1930) ولیم مونٹگمری واٹ (W.Montgomery Watt[18] 1909-2006) اسنوک ہر گرونج (Snouck Hergronje 1857-1936) اے جے ونسنک (A.J.Wensinck 1882-1939) کارل بروکلمان (Carl Brockelmman 1868-1956) ای سخاؤ (E.Sachau1845-1930) صموئیل زویمر (Samuel Zewemer 1867-1952) ایچ جی ویلز (H.G.Wells 1866-1946) مارماڈیوک پکتھال (M.Pickthall 1875-1936) سر ہملٹن گب (Sir.H.A.RGibb 1895-1971) ولفریڈ کینٹویل اسمتھ (W.C.Smith 1916-2000) جوزف شاخت (Joseph Schacht 1902-1969) اور برنارڈ لیوس (Bernard Lewis 1916-) وغیرہم اس عہد کے چند ایسے نامور مستشرقین ہیں جنہوں نے تحریک استشراق کو ایک نئی جہت اور رفتار عطا کی، جس طرح سے ابتدائی ادوار میں مستشرقین صرف اور صرف اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی میں مصروف تھے ساری جدوجہد اسلام کے رخ روشن کو داغدار کرنے کی تھی۔ اب بیسویں صدی میں حالات تبدیل ہو چکے تھے استعماری قوتیں کمزور ہو چکی تھیں یورپی کالونیاں خواب غفلت سے بیدار ہو رہی تھیں۔ نئی نئی تحریکیں اور نظریات جنم لے رہے تھے۔ محکوم اور غلام ممالک نے آزادی و حریت کا نعرہ بلند کیا، سائنس و ٹکنالوجی کی غیر معمولی ایجادات و اختراعات نے معیار زندگی کو کافی بلند کر دیا۔ سیاسی و عسکری انقلابات نے پر سکون زندگی میں ایک طوفان برپا کر دیا معاشی نظریات نے عام وخاص کے درمیان ایک ہلچل پیدا کر دی۔ کمیونزم و سوشلزم کا ہر طرف بول بالا تھا کارل مارکس (Carl Marx 1818-1883) کے نظریات نے انسان کو معاشیات

---

[17]۔ سار تھامس واکر ایلڈر (1930–1864) ایک برطانوی مستشرق تھے۔ وہ علامہ محمد اقبال کے اساتذہ میں سے ہیں۔

[18]۔ یہ ایک مغربی مشتشرق جو کہ عربی اور علوم اسلامیہ پر دسترس رکھتا تھا۔

کا خلیہ قرار دیا۔ سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud 1856-1939) نے جنس کے پاکیزہ پردے کو تار تار کر دیا اور چارلس ڈارون (Charles Darwin 1809-1882) کے نظریات نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر سوال کھڑا کر دیا کہ آدمی کو خدا نے نہیں پیدا کیا بلکہ وہ تو انسان نما بندر سے ارتقاء پا کر آدمی بنا ہے۔ اتنے اہم تغیرات ہونے کے باوجود مستشرقین کے لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ وہی پرانی روش اور طرز ادا اختیار کیے رہتے۔ اس لیے کہ اب قارئین کا ذوق مطالعہ و مشاہدہ بھی ان تبدیلیوں کے ساتھ عہد جدید میں تبدیل ہوا۔ نتیجتاً ایسے مصنفین و محققین منظر عام پر آئے جنہوں نے اپنے پیش روں پر سخت تنقید کی۔ اپنے انداز نگارش اور طرز ہائے تحقیق سے بیسویں صدی کے مصنفین اپنے اسلاف سے ذرا مختلف نظر آئے لیکن مقاصد درپردہ وہی تھے یعنی اسلام کی تذلیل و تحقیر'' اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہو گئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس طرف توجہ 1925 کے بعد سے ہوئی اور 1945 کے بعد تو خدا بیزار مملکتوں کا مسلسل پروپیگنڈہ خود عیسائیت کے لیے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لیے باستثنائے چند مستشرقین یورپ کا لب و لہجہ اسلام کے خلاف یاوہ گوئی میں نسبتہ نرم ہو گیا اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں، تقریروں اور مقالات صلح و آشتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس صورتحال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔ پادری سموئیل زویمر اور ان کے ہمنوا پوری قوت کے ساتھ اسلام، قرآن اور رسول ﷺ کے خلاف لکھتے رہے وہ اپنے لب و لہجہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے۔ مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے[19]۔

ارنلڈ جے ٹوائن بی (A.J.Toynbee 1889-1975) عہد جدید کا نامور مورخ ہے جس نے مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور اپنی عظیم الشان تصنیف مطالعہ تاریخ میں اسلام کے بارے میں عمومی طور پر معقول رویے کا اظہار کیا ہے۔ ٹوائن بی کے بارے میں جو ایک مثبت رائے قائم ہوئی تھی کہ اس نے اپنی عالمانہ تحقیق کے نمونے اپنی کتابوں میں پیش کیے ہیں اور اس کی شخصیت عالمی حوالہ جات کا منبع و ماخذ قرار پائی تھی۔ لیکن آپ ﷺ کے بارے میں اس کی یہ رائے بڑی ناقص معلوم پڑتی ہے اس لیے کہ اس نے

---

[19]۔ مجلہ الواقعہ، مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، کراچی، جنوری، فروری، ۲۰۱۳ء۔ ش ۱۰، ص ۳

نبی آخر الزماں کا موازنہ جنگجو سیزر سے کر دیا اگر تعصب سے پرے اس نے دونوں شخصیتوں کا علمی و تحقیقی اور عقلی و استدلالی مطالعہ کیا ہوتا تو اسے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ایسی رائے دینے سے پہلے ہزار بار سوچنا پڑتا اس کا یہ طرز عمل نبی ﷺ کی شان میں بدترین گستاخی اور تذلیل و تحقیر ہے۔ اسی دور کا ایک اہم فرانسیسی مستشرق آر بلاشیر (R.Blachere 1900-1973) جس نے قرآن کریم کا 1947 میں ترجمہ کیا سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے اس کی معروف کتاب :" Le Problems de Mahomet,Paris (1952)" ہے اس شخص نے ایک نیا فتنہ یہ کھڑا کیا کہ "آنحضرت ﷺ کی سوانح پر بحث کرنے کے بجائے، مصادر سیرت پر بحث شروع کی اور اعلان کر دیا کہ ان مصادر کو اس وقت تک استعمال نہیں کیا جاسکتا جب تک تنقید کے تکنیکی اصول ان پر منطبق نہ کر لیے جائیں۔ یہ سازش واضح طور پر اس بات کی دعوت تھی کہ مصادر اسلامیہ جدید تنقیدی اصولوں پر نہ پورے اتریں گے نہ ان کی ثقاہت ثابت ہو سکے گی۔[20] مستشرقین کو اپنی علمی و تحقیقی صلاحیتوں پر بڑا ناز ہے کہ وہ جو اصول تحقیق یا جدید تکنیک اختیار کرتے ہیں وہی پیمانہ ہے استناد و اعتبار کا جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خود ان کے مفروضہ اصول و مبادی تغیر و تبدل کے مختلف مراحل اور کیفیات سے دوچار ہوتے رہے ہیں اور اس پیمانے کو مقرر کرنے والے انہیں کی جماعت کے افراد ہوا کرتے تھے۔ یہ رویہ ان کی کج فہمی کی ایک واضح دلیل ہے جس کا انکار انکار حق ہو گا۔

مستشرقین کی ایک معتدبہ تعداد دور جدید میں ایسی بھی رہی ہے۔ جنہوں نے اسلامی علوم و معارف کے مطالعہ میں اپنی ذہنی و علمی صلاحیتوں کا فیاضانہ استعمال کیا اور اپنی عمریں وقف کر دیں" یہ ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہو گی کہ ان کے اس پہلو کا اظہار و اعتراف نہ کیا جائے ان کی کوششوں سے بہت سے نادر اسلامی مخطوطات جو صدیوں سے سورج کی روشنی سے محروم تھے نشر و اشاعت سے آشنا ہوئے اور نادان و نااہل وارثوں کی غفلت اور کرم خوردگی سے بچ گئے۔ کتنے علمی ماخذ اور اہم تاریخی دستاویزیں اول اول انہیں کی کوششوں اور علمی دلچسپی اور شغف کے نتیجہ میں منظر عام پر آئیں جن سے مشرقی دنیا کے علماء، محققین کی

20۔ اسلام اور مستشرقین ص ۴۴

آنکھیں روشن ہوئیں اور ان کا علم و تحقیق کا کام آگے بڑھا[21]۔ تھامس آرنلڈ (T.WArnold 1864-1930)کی شہرہ آفاق تصنیف "The Preaching of Islam"ہے۔ مستشرق اے جے ونسنک (A.J Wensinck 1882-1939) نے احادیث اور سیرت و مغازی پر مشتمل چودہ کتابوں سے تخریج احادیث کے لیے بڑا ہی مفصل انڈکس تیار کیا ہے۔ اسی طرح ''المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی'' احادیث نبوی کے الفاظ کی ڈکشنری کی ترتیب میں بھی نگرانی کا کام انجام دیا ہے۔ مستشرق جی لی اسٹرنج (G.L.Strange 1854-1933)اور ان کی کتاب "Lands of the Eastern Caliphate" (جغرافیہ خلافت مشرقیہ) بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ یہ تمام تصنیفات اور علمی و تحقیقی کوششیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ان مصنفین و مرتبین نے اپنی جدوجہد میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اس طویل جان گسل مطالعہ اور کاوش بحث و تحقیق میں اپنے موضوع کے ساتھ خلوص انہاک کا پورا ثبوت دیا ہے[22]۔ مستشرقین کی اس اعلیٰ ظرفی اور علم دوستی کو ہم خراج تحسین پیش کرتے ہیں مگر ان کے علمی کارنامے کا دوسرا پہلو بھی ہمارے پیش نظر رہے کہ کس طرح انہوں نے دجل و فریب، افتراپردازی بہتان تراشی اور طنز نگاری کا سہارا لیا اور پھر اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں بھی پوری مہارت سے کام لیا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر کا عظیم ترین مصنف سر ہملٹن گب (Sir H.A.R Gibb 1895-1971) علمی دنیا میں ایک معروف نام ہے جسے مسلمان اور مستشرقین بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسلام سے متعلق ان کی اہم کتابیں "Mohammedanism:1949" اور "Modern Trends in Islam"ہیں۔ ماڈرن ٹرینڈس ان اسلام نامی کتاب جو 1947 میں لکھی گئی'' برا عظم ہندو پاک کی اسلامی تحریکات اور تحریک جدید سے بحث کرتے ہوئے مولف علی گڑھ اسکول اور سر سید کی تعریف کرتے ہیں۔ ساتھ ہی غلام احمد بانی قادیانیت اور قادیانی تحریک کی زوردار حمایت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اسلام میں احمدیہ

---

[21]۔ اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ترجمہ سید سلیمان حسینی ندوی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء ص ۷

[22]۔ اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنیفین ص ۷۔۹

تحریک نے ہی تجدید کو آگے بڑھایا، ایک نئے مذہب کو وجود میں لایا اور رواداری کے ساتھ تحریک اصلاحات پر زور دیا، جو لوگ قدیم اسلام میں عقیدہ کھو چکے تھے، ان میں تازہ ایمان پیدا ہوا۔ علامہ اقبال کسی بھی مسلم قاری کے لیے محتاج تعارف نہیں، نہ ہی کوئی تعلیم یافتہ علامہ کی اسلام دوستی یا فکر و نظر اور مغربی تہذیب پر نقد و جراحت سے ناواقف ہے، پروفیسر گب علامہ اقبال کو مجموعہ اضداد قرار دیتے ہوئے ان کی معروف تصنیف کی دھجی اڑاتے ہیں۔ اور اقبال کو مجموعہ تضاد(Mass of Contradiction)قرار دیتے ہیں"[23]۔

بیسویں صدی کے اواخر میں تحریک استشراق نے مغربی جامعات میں ایک خاص حکمت عملی کے تحت اسلامی علمی و تحقیقی مراکز قائم کیے اور عالمی رسائل و جرائد کو بھی بڑے پیانے پر جاری کیا۔ جدید اور سائنٹفک طرز پر مطابع کھولے۔ کتابوں کی خوب اشاعت ہوئی۔ امریکہ سے شائع ہونے والے عالمی جرائد "The Journal of Near Eastern studies"اور -"The Muslim World Journal"مغرب کے ساتھ عالم اسلام میں بھی خوب مقبول ہیں۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین نے عربی مجلات جیسے "مجلۃ شؤن الشرق الاوسط" اور "مجلۃ الشرق الاوسط" کو جاری کیا۔

شاخت کا تعارف[24]

جرمن مستشرق "یوسف فرنز شاخت" 01اگست، 1969 بروز جمعہ کو پولینڈ کے ایک صوبے سیلیزیا کے ایک قصبے راٹیبر میں پیدا ہوئے اور 33 برس کی عمر میں 15مارچ 1902 کو لینگلی ووڈ کے علاقے میں فوت ہوئے

یوسف شاخت ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن بچپن میں ایک ہیبرو سکول میں تعلیم حاصل کی۔

---

[23] اسلام اور مستشرقین ص ۴۶-۴۵

Wikipedia encyclopedia online internet

یوسف شاخت نے برسلز یونیورسٹی سے کلاسیکل فلسفہ، الٰہیات، مشرقی زبانیں، یونانی، اور لاطینی کو سیکھنے کے بعد فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر اسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ 1925ء میں برسگائی کی ایک یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ 1927ء میں اسی یونیورسٹی میں جرمنی کے کم عمر ترین پروفیسر مقرر ہوئے۔ 1932ء میں یونیورسٹی آف جوہانز برگ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر 1934ء میں اچانک قاہرہ چلے گئے جہاں 1939ء تک آپ نے بطور پروفیسر پڑھایا۔ پھر 1939ء میں جنگ عظیم دوم کی ابتدا میں وہ برطانیہ چلے گئے اور برٹش گورنمنٹ کے لئے کام کرنے لگے اور ساتھ ہی بی بی سی میں بھی کام کرتے رہے۔ اور آخر انگلینڈ ہی میں مقیم ہو گئے۔ آپ نے 1946ء سے آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کیا اور آخر کار 1954 میں نیدرلینڈ چلے گئے اور لیڈن یونیورسٹی میں پڑھانے لگے۔ 1957ء تا 1958ء آپ نے کولمبیا یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کیا، جہاں پر 1959ء میں عربی اور علوم اسلامیہ کے پروفیسر ہو گئے۔ آپ کولمبیا میں ہی رہے حتیٰ کہ 1969ء میں آپ بطور پروفیسر ریٹائر ہوئے۔

شاخت کی کتاب کا تعارف:[25]

جوزف شاخت کی کتاب "The Origins of Muhammadan Jurisprudence" "شریعت محمدی کے فقہی اصول" چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اسلامی فقہ اور شریعت نے کس طرح اور کہاں ترقی کی۔اوراس باب میں دس فصول ہیں۔

دوسرا باب خالصتاحدیث کے متعلق ہے کہ شریعت زندگی اور معاشرے کے تمام معاملات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن مسلمانوں نے خوداحادیث وضع کیں اور پھراس کی نسبت محمد ﷺ کی طرف کردی اور چونکہ تمام کی روایات مختلف تھیں اس لئے اپنی اپنی سند بھی بنالی۔اس باب میں سات فصلیں ہیں۔

تیسرا باب اس بات کے متعلق ہے کہ دوسری صدی جبکہ اموی خلافت تھی تو اسلامی شریعت کس طرح گھڑی گئی۔اس باب میں نو فصلیں ہیں۔

پھر چوتھے اور آخری باب میں فنی قوانین کے ارتقا کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔کہ اسلامی قوانین قدرتی ہیں۔اوراس میں مختلف فقہااورانکی فقھوں کاتذکرہ ملتاہے۔

---

[25] Wikipedia encyclopedia

پہلی فصل: سنت نبوی کے متعلق شاخت کا نظریہ:

سنت پر سب سے زیادہ اعتراض مستشرقین اور ان مغربی پروفیسرز کی طرف سے کیے گئے ہیں، جنہوں نے اس میدان میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔

1۔ شاخت کے نزدیک سنت کی تعریف:

جوزف شاخت کے ہاں سنت جو مفہوم ہے وہی مفہوم اکثر مستشرقین کے ہاں ہے۔اور ان کی تمام تعریفات اس معنی کے گرد گھومتی ہیں کہ:

"عادات، تقلید، دور جاہلیت کے عرف کی پیروی کرنا ہی اصل میں سنت کہلاتا ہے۔"[26]

جوزف شاخت کی کتب جو اس نے سنت نبوی کو پڑھانے کیلئے لکھیں ان میں دو چیزیں عام فہم دیکھنے کو ملتی ہیں:

1۔ شریعت اسلامی ایک تو پختہ نہیں ہے اور دوسرا یہ تردد کا شکار ہے۔

2۔ شریعت اسلامی جن اصولوں کی بنیاد پر کھڑی ہے (بزعم شاخت) وہ اصول بھی کوئی پختہ اصول نہیں ہیں۔

شاخت اور اکثر مستشرقین کے مطابق اسلام میں سنت نبوی سب زیادہ مؤثر ہے۔بلکہ خود ذات رسول ﷺ اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔اور اسلام عموماً داخلی اور خارجی مصادر کا نام ہے۔داخلی مصادر سے مراد تقلید اور جاہلیت کے عرف ہیں۔اور خارجی مصادر سے مراد اہل کتاب، ادیان مختلفہ اور تاریخ کی مشہور اقوام کی تعلیمات ہیں۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کے ہاں رسول ﷺ کے تمام افعال کو سنت سمجھا جاتا ہے اور امام شافعی نے اپنی کتب میں "السنۃ" کا لفظ بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔یعنی امام شافعی کے ہاں " السنۃ" اور "سنۃ النبی" دونوں مترادف الفاظ ہیں، لیکن السنۃ کے لفظ کو اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ سابقہ امتوں کے حالات اور ان کا طرز زندگی ہے[27]۔

پھر شاخت اپنے اس دعوی کو پختہ کرنے کے لئے اپنے مستشرق اساتذہ کی آراء کو بھی پیش کرتا ہے۔

---

[26]. The Origins P.58
[27]. The Origins P.58

گولڈزیہر (28) کاتذکرہ کرتے ہوئے کہتاہے کہ : گولڈزیہر نے واضح کیاکہ یہ ایک اصطلاح ہے،اس کاتعلق اس کی بنیاد سے جوڑااور بتایاکہ اس کااقتباس اسلام کی بنیادیات سے جوڑاہے [29]۔

گولڈزیہر نے اپنی کتاب " العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام" میں " السنۃ " کی تعریف کی ہے "مقدس عادت اور پہلا حکم۔۔۔یعنی سنت عادات کی بنیاد پر اور امت کے قدیم لوگوں کی سوچ کی پیدائش ہے [30]۔

مارگولیوتھ (31) کے مطابق ابتدائے اسلام میں سنت شریعت کے مصادر میں سے نہیں تھی،اور شاخت کا نظریہ بھی اسی کے قریب ترہے کیونکہ اس کا کہناہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں پسندیدہ عرف کو سنت کہاجاتاتھااور پھر بعد میں اس کے مفہوم میں صرف افعال رسول ﷺ ہی باقی رہ گئے [32]۔

مارگولیوتھ کا کہنا تھا کہ بہت سی باتیں جو مجھے زمانہ قدیم وجدید،درویشوں کے اقوال، من گھڑت اناجیل اور یونانی فلسفہ کی تعلیمات،اور فارس اور ہند کے حکمرانوں کے اقوال سے ملیں ، وہی باتیں اسلام میں حدیث کے ذریعے سے بھی ملتی ہیں۔

شاخت اپنے دعوے کو مضبوط کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دیتاہے کہ محمد ﷺ کوئی نیا نظام زندگی قائم کرناہی نہیں چاہتے تھے بلکہ یہ تمام تو قدیم عربی قوانین ہیں جو کہ چند داخلی عناصر پر مشتمل ہیں جو کہ اسلام میں بھی چلتے رہےاور پھر اس میں چند تبدیلیاں بھی اس لئے واقع ہوئیں کیونکہ اس پر عامل لوگ کی اقسام،علاقے اور عادات مختلف تھیں،مثلاًاہل مکہ تاجر،اور مدینہ زراعت کامرکز تھا [33]۔

---

(28)۔گولڈزیہر جرمن مشتشرق ہنگری میں پیداہوالیکن بعد میں جرمنی چلاگیااور جرمن ہی کہلایا(یہودیمستشرقجو 22جون 1850کو پیداہوااور 13نومبر 1921کو مرا)۔اس نے اسلام پرانتہائی وقیع کام کیاجس نے بعد میں آنے والے مستشرقین کے لیے راہ ہموار کی۔

[29] .The Origins P.58

[30]۔العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام، گولڈزیہر، ترجمۃڈاکٹر محمد یعسف موسی اور ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، وعبدالعزیزعبدالحق، دارالکتاب الحدیثۃ مصر،اور مکتبہ المثنی بغداد، جلد 2، صفحہ 49۔

(31)۔داود سموئیل مارگولیوتھ ایک مستشرق تھاجو کہ 17اکتوبر 1858کولندن میں پیداہوااور 23مارچ 1940میں لندن ہی میں فوت ہواپہلے وہ چرچ آف انگلیڈ میں کام کرتارہااور پھر 1889تا1937تک آکسفورڈیونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر کوطورپر خدمات سرانجام دیتےرہے۔یہ گیارہ کتب کے مصنف بھی تھے

[32]-.See:

-The Origins P.58

-Margoliouth, the Early Development of Muhammedanism, PP 69-70.

[33] -See: Schacht, Foreign Elements in Ancient Islamic Law Journal of Comparative Legislation and An ...rnational Law vol xxxll (1950) parts iii, Iv, P.P 9-17 j.

بلکہ محمد ﷺ شریعت سازی میں بعض مسائل کو دینی بنانے سے قاصر تھے، کیونکہ وہ جہاں اجتماعی حیات سے متعلق تھے وہیں وہ پہلے ہی سے اپنی دینی بنیادیں بھی لئے ہوئے تھے۔

شاخت کا کہنا ہے کہ جسے ہم آج اسلامی فقہ کہتے ہیں وہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ماخوذ نہیں، اور اسے سنت رسول ﷺ کہنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا اکثر حصہ تو دوسرے ادیان سے ماخوذ ہے، اور بہت سا حصہ مجتہدین کے اجتہاد پر[34]۔

سنت کے مفہوم، ماہیت اور مصادر کے بارے میں مستشرقین کے نظریہ کو واضح کرنے کے لئے اب ہم ایک مستشرق فرید غیوم رائے آپ کے سامنے رکھتے ہیں جس نے محمد ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کے آباء واجداد کے دین میں واضح مماثلت ثابت کرنے کی کوشش کی اور واضح کیا کہ مسلمان جو حج کے مناسک ادا کرتے ہیں مثلاً غلاف کعبہ، حجر اسود کا بوسہ اور زمزم کا پانی پینا، یہ سب دور جاہلیت کی رسوم ہیں۔ بلکہ اس نے یہ الزام بھی لگایا کہ محمد ﷺ نے بچپن میں عزی کے سامنے قربانی بھی کی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ: جاہلیت کی رسوم اسلام پر اپنے گہرے اثر چھوڑ کر گئیں ہیں۔ اور حج کا میلہ تو یہ بات اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بتوں کے سامنے قربانی کرنا عرب کے ہاں بہت مقدس سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر ان کاموں کو اہتمام سے نہیں کرتے تھے بلکہ بعض تو صرف تجربہ کے طور پر ہی کرتے تھے اور اس طرح یہ ان میں پھیل گئے۔

اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جن جگہوں پر فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے دور جاہلیت میں بھی ان کی خاص اہمیت تھی اور بہت سے قبیلے ان کی طرف سفر کر کے جاتے تھے اور کچھ تو ان کو مقدس مان کر ان کی حفاظت کی غرض سے ان کے قریب ہی آباد ہو گئے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام سے قبل ہر سال عرب کے مختلف قبائل اسی طرح کا سفر کرتے تھے اور وہ اسی مہینہ حج کو ادائیگی حج کے لئے مقدس بھی گردانتے تھے۔

پھر قرآن آیا اور اس نے جاہلیت کی عادات اور میلوں کی اسی طرح تحقیر کی جس طرح عربوں کے ہاں بتوں اور پتھروں کی تحقیر کی بلکہ مسلمانوں پر اس جگہوں کا ذبیحہ کھانا بھی حرام کر دیا اور بتوں کی پوجا کو حرام قرار دیا کیونکہ وہ ان بتوں اپنے اور معبودوں کے درمیان واسطہ مانتے تھے۔

---

[34] . .See: Schocht, Foreign Elements in ancient Islamic Law Journal of comparative Legislation [illegible]d An International Law Vol xxxll (1950) parts iii, Iv, P.P 9-17 j.

پھر جب مسلمان آئے توانہوں نے یہ تمام تجربات کئے اب ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم یہاں عمر بن خطاب کا پتھر سے کلام کرنے والا واقعہ ذہن میں لائیں۔

یہ بھی عادت میں داخل ہے کہ لوگ درختوں کو مقدس مانتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ ان پر ہمارے معبود رہتے ہیں، لوگ بعض درختوں پر ٹاکیاں باندھتے ہیں اور بعض چند کنوؤں اور چشموں کو مقدس کردانتے ہیں،اور اس سے پہلے یہودیت اور عیسائیت اس سے پاک نہیں کوسکی تو پھر اسلام کیسے اس سے پاک رہتا ہے[35]۔

یہ وہ مفاہیم تھے جو شاخت اور اس کے ہم خیال مستشرقین نے سنت نبوی کے بارے میں بنا رکھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عادات، جاہلیت کے معاملات تھے کہ اسلام نے جنہیں باقی رکھا اور اسی کو سنت کہا جانے لگا۔اور اسی طرح خلفاء، صحابہ ،تابعین، تبع تابعین وغیرہ سے جو بھی معلوم ہوا اسے بھی سنت کہا جانے لگا۔

تو اسی بنیاد پر ان کا کہنا ہے کہ اب سنت میں آسمانی دین اور جاہلیت کی رسوم ورواج مل جل گئی ہیں۔

ان سب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس دور میں آپ ﷺ کے اقوال ،افعال اور تقاریر سے کچھ علیحدہ نہیں ہے،اور نہ ہی اقوال صحابہ اور ان کے تصرفات جوانہوں نے بعد میں کئے۔

تجزیہ:

شاخت اور دوسرے مستشرقین کے سنت کے بارے میں اقوال نقل کرنے کے بعد پہلے ہم ان سب اعتراضات کی تلخیص کریں گے :

- مستشرقین کے خیال میں سنت " جاہلیت کے عرف اور تقلید " کی حفاظت کو کہتے ہیں۔
- مستشرقین کے خیال میں سنت اہل کتاب اور دوسری اقوام کی معلومات سے چربہ سازی ہے۔
- ان کے سوچ کے مطابق دور حاضر میں آپ ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری احادیث، جاہلیت کے عرف ،خلفاء، صحابہ ،اور تابعین کے تصرفات سے خلط ملط ہو چکی ہے۔

[35] .See. Alfred Guillume, Islam, Perguin Book Made and Printed Ltd. Great Britain, Hunt Bernard ...ting Ltd Aulesbury Set in Monotyc Bembo,1976 P.P 6-7

- سنت نبوی کی تطبیق میں مسلمانوں کی خاص دلچسپی دیکھ کر شاخت شبہ میں پڑ گیا کیونکہ عرب لوگ سابقہ لوگوں کے عرف اور انہیں کے نقش قدم پر چلنے میں خاص دلچسپی لیتے تھے، تو اس لئے سنت اور بقیہ چیزوں میں اطاعت ہی کرتے تھے۔

شاخت کے اہم نکات ذکر کرنے کے بعد اب ہم ان کا مناقشہ کرتے ہیں۔

شاخت کا کہنا کہ: سنت اصل میں دور جاہلیت کے عرف وغیرہ کی حفاظت کئے لئے بنائی گئی۔

سب سے پہلی بات یہ کہ فقہا، محدثین اور اصولیین کے ہاں سنت کی ہونے والی تعریفات میں کسی ایک نے بھی اس کا یہ معنی نہیں لیا۔اور یہ تو اصولی بات ہے کہ ہر علم اور فن کا تعارف اسی علم اور فن کے ماہر سے لیا جاتا ہے۔

جبکہ سنت اسلام کا ایک مصدر ہے اور اس مسلمان علماء ہی اس کے ماہر ہیں تو لازم ہے کہ اس کا تعارف انہیں سے لیا جائے نا کہ مستشرقین سے جو نا تو مسلم ماہرین پر اس بارے میں فضیلت رکھتے ہیں کہ اس بارے میں ان کی بات کو زیادہ ترجیح دی جائے[36]۔

عبداللہ رحیلی فرماتے ہیں کہ: یہ بات ضروری ہے کہ ہم کسی بھی علم کے بارے میں مسائل اس کے ماہر سے پوچھیں اگرچہ لازمی نہیں ہے کہ ماہر کا اجتہاد ہمیشہ درست ہو البتہ لیکن بہت سی وجوہات کی بنیاد پر یہاں مہارت اور تخصص شرط ہے اور اس سے پہلے اسلام لانا بھی شرط ہے[37]۔

البتہ شاخت کا دعوی کرنا کہ: اسلامی تعلیمات اکثر طور پر پہلی اقوام کی تعلیمات سے ملتی ہیں تو اس کو جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو قیامت تک پوری انسانیت کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور جب اسلامی شریعت آئی تو اس کے سب سے پہلے مخاطب عرب تھے جن کا اپنا نظام، عرف، عادات اور رسوم تھیں تو آپ کے خیال میں اسلام کے پاس اس کے علاوہ اور کون سا راستہ تھا۔

یقیناً یہاں پر صرف تین راستے ہی ممکن تھے۔

1. اسلام ان تمام عرف اور عادات کو ہی اپنا لیتا۔
2. اسلام ان تمام عرف و عادات کو ہی چھوڑ دیتا۔
3. اسلام ان میں سے بہتر عادات و عرف کو باقی رکھتا اور غلط خصلتوں کو ختم کر دیتا۔

---

[36]-"المشترقون و السنۃ" ڈاکٹر عبداللہ رحیلی ص 64

[37]-"المشترقون و السنۃ" ڈاکٹر عبداللہ رحیلی ص 64

پہلا راستہ: تمام عرف کو باقی رکھنے والا تو اسلام نے یہ نہیں اپنایا، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے کئی احکامات عرف جاہلیت کے خلاف تھے مثلاً: حرمت سود، مردار کا گوشت کھانا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ۔اور پھر پہلے والی سارے معاملات کو باقی رکھنا تو کسی مذہب کے لئے ممکن نہیں کیونکہ اس طرح تو اس کو وجود اور عدم برابر ہوں گے۔

دوسرا راستہ: تمام عرف اور عادات کو یکسر چھوڑ دینا۔اسلام نے یہ بھی نہیں اپنایا، کیونکہ یہ تو سراسر تعصب کا طریقہ ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں بھلائی سرے سے ہے ہی نہیں جب کہ اسی عرف پر کئی امتوں نے اپنے وقت گزارے مثلاً: شادی کرنا، خاندان ماننا، خرید و فروخت اور مزدوری وغیرہ۔جبکہ ان تمام کو یکسر چھوڑنا ممکن نہیں ہے۔اور ان سے کوئی بھی معاشرہ تباہ ہو جائے گا جیسا کہ: ایرانی فلسفہ میں شادی کو ختم کرنا کہ ایک عورت ایک ہی آدمی کے پاس بندھی نا رہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عوامی جائیداد بن گئی۔

اور ایک مثال مارکسزم کی بھی ہے کہ انہوں نے ذاتی ملکیت کو ختم کیا تو پہلے اس بات کو معاشرے میں صحیح طور ثابت ہی نہیں کر سکے اور پھر مارکسیت کے حامی ممالک کے حکمران، سرمایہ دارانہ نظام کے حامل حکمرانوں سے عیش میں رہے۔اس کی مثال تو ایسے شخص کی ہے جو زبان سے توحید کی دعوت سے مگر اپنے عمل میں مشرک ہو تو اسی طرح تمام نظاموں کی انکار کرنا تو فطرت انسانی کا انکار کرنا ہے[38]۔

تیسرا راستہ: کہ بعض عرف کا انکار اور بعض کا اقرار کرنا تو یہی وہ موقف ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔اب ہم اس کو تفصیلاً دیکھتے ہیں۔

یہ بات تو ہم جانتے ہیں کہ عرب کی فقہ کے مصادر کئی ایک تھے مثلاً عرف کہ جسے عرب لوگوں نے خود ہی متعارف کروایا اور خود ہی قبول بھی کیا اور اسی کے ذریعے وہ اپنے معاملات کو حل کیا کرتے تھے۔اس میں سے کچھ بہت برے تھے تو اسلام نے ان کو یکسر ختم ہی کر دیا اور کچھ بہت اچھے تھے تو اسلام نے ان کو ابھی تک باقی رکھا

ان کا دوسرا مصدر ان کی دینی تعلیم تھی جس کی بنیاد پر وہ عبادات وغیرہ کیا کرتے تھے اور یہ طریقے ان کے ہاں معبد کے متوالی اور کاہن وغیرہ طے کیا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں پھر

---

[38]۔فکرة هذه الاحتمالات الثلاثةش و مناقشتها، مستفادة من محاضرات الدكتور الشيخ محمد هاشم على طلاب السنة الثانية بقسم الاستشراق لعام 1416

اس کی مخالفت کرنا گویا کہ عرف کی مخالفت کرنا ہی تھا۔ جبکہ اس کے برعکس ان کے بقیہ معاملات ان کے رؤسا ہی حل کیا کرتے تھے۔

تو اگر ہم ان تمام احکام کو اسلام کے احکام سے موازنہ کرنا چاہیں تو یہ بہت طویل ہو جائے گا اسی لئے ہم صرف ان معاملات کو زیر بحث لائیں گے جن کے بارے میں شاخت نے اعتراض کیا ہے تاکہ ہم اس کی بات حقیقت کو جان سکیں۔

مثال کے طور پر: حج کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہے کہ اس میں سات چکر ہوتے ہیں اور یہ حج کا ایک رکن ہے جبکہ وہ لوگ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے

اليوم يبدو بعضه او كله وبعد هذا اليوم لا احله[39]

عرب لوگ حج کے دنوں میں تلبیہ کہا کرتے تھے اور ان میں کچھ لوگ اپنے بتوں کے سامنے تلبیہ کہتے تھے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے کیونکہ ان دونوں پر انہوں نے " اساف " اور "نائلہ " دو بت نصب کر رکھے تھے۔

اسی طرح وہ باپ کی بیٹی سے، بیٹے کی ماں سے، دادی کی پوتے سے اور بھائی کی بہن سے ان کے آپس کے رشتوں کی وجہ سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔ جبکہ دو بہنوں سے اکٹھا نکاح بھی درست سمجھتے تھے۔ اور ان کے ہاں مہر کا تصور بھی تھا لیکن اس مہر کا مالک عورت کے ولی کو سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے ہاں نکاح کی اور بھی بہت سی اقسام ہوتی تھیں۔ مثلاً: نکاح مقت[40]، نکاح متعه[41]، نکاح بدل[42]،نکاح

---

[39] - بداية والنهاية،ابن كثير، احمد ابو ملحم و جماعة دار الكتب العلمية،بيروت، لبنان، طبع،5 سن 1989 جلد2 صفحہ 283

[40] - دور جاہلیت میں نکاح کی ایک قسم جس میں باپ بیٹے کی بیوہ سے نکاح کرتا تھا یا بیٹا باپ کی بیوہ سے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے، سخت ناپسندیدہ نکاح

[41] - (نکاح متعہ) عربی : نکاح المتعة جسے عرف عام میں متعہ یا صیغہ کہا جاتا ہے؛ ولی (شہادت) کی موجودگی یا غیر موجودگی میں ہونے والا ایک ایسا نکاح ہے جس کی مدت (ایک روز، چند روز، ماہ، سال یا کئی سال) معین ہوتی ہے جو فریقین خود طے کرتے ہیں اور اس مدت کے اختتام پر خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے یا اگر مرد باقی ماندہ مدت بخش دے تب بھی عورت نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے مگر ہر صورت میں عدت اپنی شرائط کے ساتھ پوری کرنا پڑتی ہے؛ اور اولاد انہیں والدین سے منسوب ہوتی ہے؛ اگر فریقین چاہیں تو مدتِ اختتامِ متعہ پر علیحدگی کے بجائے اسے جاری (یا مستقل) بھی کر سکتے ہیں۔ یہ نکاح ابتدائیے اسلام میں متعدد بار جائز ہوا اور اس سے روکا گیا پھر جائز ہوا۔ تاریخی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند سال قبل تک اس کی موجودگی پر سنی بھی اور شیعہ بھی دونوں اتفاق کرتے ہیں۔ یعنی اس کا اصل میں حلال ہونا مسلم اور مورد اتفاق ہے مگر اکثر شیعہ اور سنی نیز دیگر فرقے اس کے حلال باقی رہنے یا حرام ہو جانے کے بارے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں۔

[42] - بدلے کی شادی، اس سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔ یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا، نہ اس کے قبول کرنے، مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی۔ بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصر سی مجلس میں یہ سب کچھ طے پا جاتا۔

الرہط[43]، نکاح شغار[44]،نکاح بعوله [45]اورنکاح استبضاع[46]۔ اور ان کے ہاں طلاقوں کی تعداد تین ہی تھی لیکن طلاق بعد بھی پہلے خاوند کے پاس واپس بھیجنے کے لئے حیلہ (حلالہ) کیا کرتے تھے[47]۔

توجب اسلام آیا تو اس نے اس میں جو اچھائیاں تھیں وہ باقی رکھیں اور جو برائیاں تھیں انہیں ختم کر دیا۔ مثلاً: طواف باقی اور ننگا ہونا ختم، تلبیہ باقی اور بتوں کے سامنے کہنا ختم، صفا اور مروہ کے درمیان سعی باقی اور ان پر اساف اور نائلہ کے بت ختم، نکاح میں ولی، مہر اور گواہ ہونا باقی اور باطل نکاح ختم، اور طلاق باقی اور حلالہ ختم۔

اسلام نے جاہلیت کے کچھ کاموں کو اس لئے باقی رکھا وہ اس دین کے موافق ہو گیا جو اللہ تعالی نے نازل فرمایا۔

مستشرقین کا یہ دعوی کرنا کہ اسلامی شریعت خارجی مصادر سے نکالی گئی ہے۔ اس کے بارے میں ہم کہیں گے کہ:

پہلے تو مستشرقین اور خاص طور پر شاخت اپنے دعوے پر کوئی دلیل دینے سے قاصر ہیں، البتہ جو دلائل وہ پیش کرتے ہیں وہ صرف چند تاریخی باتیں ہیں جو مکہ میں کام کرنے والے عیسائیوں کے وجود پر دلالت کرتی ہیں[48]۔

دوم: شاخت کے مطابق سنت کا ارتقا اور نشو و نما۔ ابھی ہم شاخت کے ہاں سنت نبوی کا تصور ذکر کر رہے تھے اسی طرح اب ہم اس کا مستشرقین کے ہاں اس کا مفہوم ذکر کریں گے اور پھر اس کا مناقشہ بھی کریں گے۔

---

[43]۔اجتماعی نکاح۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً دس آدمی ایک ہی عورت کے لیے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور وہ بغیر کسی پس و پیش کے آجاتے پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس شخص کو اس سے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

[44]وٹے سٹے کی شادی۔ یہ وہ نکاح تھا کہ ایک شخص اپنی زیر سرپرستی رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی بیٹی، بہن وغیرہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ اس میں مہر بھی مقرر کرنا ضروری نہ تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت فرمادی۔

[45]۔یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔ اس میں یہ تھا کہ مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا مالک ہوتا۔ بعولت (خاوند ہونا) سے مراد مرد کا "عورتیں جمع کرنا" ہوتا تھا۔ اس میں عورت کی حیثیت عام مال و متاع جیسی ہوتی۔ نکاح کی یہ قسم چند تبدیلیوں کے بعد مسلمانوں میں رائج ہے ان تبدیلیوں میں مرد کو حد سے حد چار نکاح کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کو اپنی ازواج میں تمام معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا سختی سے پابند کیا گیا ہے دوسری اہم تبدیلی کہ عورت کی حیثیت عام مال و متاع سے ختم کر کے اس کے باقاعدہ حقوق مقرر کئے گئے ہیں . حق مہر اور وراثت میں عورت کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

[46]۔فائدہ اٹھانے کے لیے عورت مہیا کرنے کا نکاح۔ مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے بھیج دیتا اور خود اس سے الگ رہتا تاکہ اس کی نسل خوبصورت پیدا ہو اور جب اس کو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے شوہر کے پاس آجاتی۔

[47]۔ انظر فی موضوع مصادر التشریع و الاحکام الجاهلیة، والمقارنة بینها و بین تشریعات الاسلام:"الظاهرة الاستشراقیة و اثرها علی الدراسات الاسلامیة" ڈاکٹر سالم الحاج، مرکز دراسات العالم الاسلامی طبع1 سن 1991 جلد 1 ص:326-323

[48]۔علی ان هذه مسالة تحتاج الی تحقیق فی ثبوت ذالک و فی عددهم و فی مکانتهم الاجتماعیة

اب اس باب میں ہم صرف شاخت کا سنت کی ارتقا کے بارے میں دعوی ذکر کریں گے۔اصل میں رسول ﷺ کی طرف منسوب ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں ہے البتہ جو موجود ہے وہ صرف واضعین کی یا فقہا اور محدثین کی وضع کی ہوئی ہیں۔

پھر ہم اس کے مطابق دوسرے مستشرقین کے دعووں کو ذکر کریں گے تاکہ اس دعوے کی وضاحت ہوسکے اس کے بعد ہم طریقہ سابقہ کے مطابق سنت کے متعلق مستشرقین کے دعووں کا مناقشہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

شاخت کا کہنا ہے کہ:

فریلینڈ ابارٹ کا کہنا ہے کہ[49]:

بہت سے لکھاری اور محققین نے بہت کوشش کی ہے کہ محمد ﷺ کی دعوت کی اصل بنیادوں اور ان اسباب کو تلاش کیا جائے آپ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں کچھ وضاحت کر سکیں۔ لیکن اس قدر کوشش کے باوجود اس کے نتائج غیر مطمئن تھے۔ بہت سے لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ آپ ﷺ نے شام کے ایک عیسائی راہب سے علم حاصل کیا تھا اور شاید کہ یہ صحیح بھی ہو۔

اور کچھ لوگوں کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ﷺ تاجروں کے جس گروہ میں رہتے تھے وہ دوسرے ادیان والوں کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کیا کرتے تھے تو محمد ﷺ نے انہیں کے عقائد اور دین کو لیا اور اس کو اپنی دعوت کی بنیاد بنالیا شاید یہ بات درست ہو۔ لیکن یہ تو پکی بات ہے کہ محمد ﷺ نے کبھی کسی اصل نئے دین کے لانے کا دعوی نہیں کیا۔ کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ جو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں وہ پہلی رسالتوں سے مستعار لیا گیا ہے۔ اور عجیب بات تو کہ ہے کہ اسلام کے تمام بڑے بڑے اصول یہودیت، عیسائیت اور دوسرے ادیان میں سے ہیں اور یہ صرف مسلمانوں ہی میں مؤثر نہیں ہیں اور چونکہ مسلمان قرآن کو کلام اللہ مانتے ہیں اس لئے انہیں اپنے دین کی اس طرح تحقیق نہیں کرنی پڑتی جس طرح نصاری کو کرنا پڑی۔

مستشرق ولیم مور: محمد ﷺ نے بقدر وسعت ان عیسائی غلاموں سے استفادہ کرنے کی کوشش کی کو مکہ میں رہتے تھے اور اناجیل کے ان نسخوں سے بھی استفادہ کیا جو کہ عیسائیوں کے ہاتھوں میں عام تھے، وہ یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ انہوں نے ورقہ بن نوفل سے بھی استفادہ کیا۔ محمد ﷺ نے

---

[49] Freeland Abote, Islam and Pakistan Cornell University Press, New York, 1968, P.P. 14-15

عیسائیوں کی طریقہ عبادت کی بجائے یہودیوں کے طریقہ عبادت ہی کو اسلام میں داخل کیاحالانکہ مسلمانوں کے ہاں ہے بلکہ خود محمد ﷺ کے ہاں بھی عیسائیت کاایک خاص مقام ہے۔

رچرڈ بیل کا کہنا ہے کہ : جس طرح بازنطینی سلطنت کی عظمت کو بڑھانے میں عیسائیت نے بہت بڑاکرداراداکیااسی طرح ہم اس حقیقت سے نظر چرانے کی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ مسیحی ان عوامل میں ایک تھے جنہوں نے محمدیوں کی عظمت کو قوت دی، جیسا کہ محمد ﷺ کی دعوت کے پھیلنے کاایک بڑا سبب عربوں کا قومی تعصب بھی تھاجس کی وجہ سے آپ ﷺ پر ایمان لانے والے سب سے پہلے لوگ مکہ اور مدینہ کے دیہاتی ہی تھے۔اوراس کی وجہ یہ تھی وہ خوش تھے کہ ان میں مستقل رسول آیاہے جو کہ عربی ہے۔

یہ بات بھی یقینی ہے کہ عرب مسلمان ہونے والے عیسائیوں کااسلام کی بنیاد میں بہت بڑاحصہ ہے۔انہوں نے ہی محمد ﷺ کو یہ واضح کیایہ دین کیاہوتاہے کیونکہ محمد ﷺ کی دعوت میں دین کم اور سیاست زیادہ تھی اوران کو عہد قدیم کے اسفار پڑھنے کے بعد ہی دین کا صحیح علم ہوا۔

اللہ تعالی اس شبہ کا جواب پہلے ہی دے دیا ہے کہ کفار قریش کو یہ گمان ہوا کہ کچھ لوگ اس محمد ﷺ کو سیکھاتے ہیں تو اللہ تعالی نے قرآن میں فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ(النحل 103:)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا(الفرقان:4)

پھر وہ لوگ جو آپ ﷺ پر دوسروں سے مدد لینے کاالزام لگاتے ہیں وہ اپنے اصلی دین سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اوراس بارے میں ان کی معلومات انتہائی ناقص ہوتی ہے۔اور جن لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں ایک تو یہ نسبت درست نہیں ہوتی دوسرا یہ کہ خود ہی ان کے ناموں میں اختلاف ہے اور تیسرا آپ ﷺ سے ان کے پاس جانا بھی ثابت نہیں، خاص طور پر جب ہمیں ان کی علمی اور اجتماعی حالت کاخوب اندازہ ہے اور یہ بھی علم ہے کہ ایک نبی کے یہ شایان شان ہی نہیں ہے کہ ان کے پاس نبوت سے قبل یابعد از نبوت جائے۔

البتہ بحیرہ راہب سے استفادہ کرنے کا الزام ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ :تاریخ میں ایک بھی روایت ثابت نہیں کہ آپ ﷺ بحیرہ راہب کے پاس بیٹھے ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ سفر کے واقعہ کے علاوہ کوئی ایک ملاقات بھی بحیرہ راہب سے ثابت نہیں۔

پھر اس وقت آپ کی تحمل کی عمر بھی نہیں تھی، دوسرا اس وقت جتنی دیر بھی ملاقات ہوئی اس میں آپ ﷺ سے صرف سوال ہوا آپ ﷺ نے کوئی سوال نہیں کیا، تیسرا آپ ﷺ اس کے پاس اپنی مرضی سے قصداً نہیں گئے تھے، بلکہ لے جایا گیا تھا۔

اس کے بعد آپ ﷺ صرف ایک مرتبہ 25 سال کی عمر میں تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے تھے۔ لیکن پھر بھی اس سفر میں آپ ﷺ کی بحیرہ راہب سے ملاقات تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اگر آپ ﷺ اس سے ملے ہوتے جس طرح یہ کہتے ہیں تو آپ ﷺ ، بحیرہ سے شریعت، عقیدہ، وصایا اور قصص کی بجائے، بحیرہ کی اپنی ذاتی فراست کی باتیں ہی سنتے۔

مستشرقین کا یہ دعوی کہ آپ ﷺ نے ورقہ بن نوفل سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ :

اول: اگر آپ ﷺ نے اسی سے استفادہ کیا ہوتا تو نزول وحی کے بعد خدیجہ کے ساتھ اس کے پاس جانے کا جواز نہیں بنتا تھا۔

دوم: آپ ﷺ ورقہ بن نوفل کے پاس ایسی نئی چیز کے بارے میں خبر دینے گئے تھے جس کے بارے میں مشکوک تھے، پھر اگر یہ علم اسی سے حاصل شدہ تھا تو اس کے سامنے تردد کے اظہار اور اس نئے کام کی خبر دینے کا جواز نہیں ملتا۔

سوم: اگر آپ ﷺ کو پہلے ورقہ کی دی ہوئی معلومات کے بارے میں شک تھا پھر آپ ﷺ گئے اور اس نئے معاملے کی صداقت کا اعلان کر دیا تو اس طرح ورقہ کے اوپر کیا گزرتی :

1۔ وہ شور کر دیتا کہ میں نے ہی اسے یہ باتیں بتائی ہیں

2۔ وہ خاموش ہو جاتا

3۔ ڈانٹ دیتا یا وضاحت کر دیتا کہ یہ وحی نہیں ہے، بلکہ آپ کا تخیل ہے۔ اور یہ بات یقیناً قریش میں پھیل جاتی، لیکن اتفاق سے اس طرح نہیں ہوا، بلکہ اس نے اقرار کیا کہ یہ وحی ہے اور اس نے اسے دوسرے نبیوں کی وحی کے مشابہ قرار دیا۔

تو اس طرح مستشرقین کے ان دعووں کی تردید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ورقہ ، بحیرہ یا دوسرے کسی شخص سے استفادہ کیا تھا۔

البتہ ان کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے استفادہ کیا تھا کیونکہ ان ادیان اور اسلام کے بعض احکامات ایک دوسرے سے مشابہ ہیں جبکہ یہ ادیان اسلام سے پہلے کے ہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ شاخت اور اس کے ہم خیال لوگوں کو تمام مذاہب کی آپس میں مشابہت نظر نہیں؟ خاص طور پر یہودیت اور عیسائیت کی مشابہت حالانکہ ان کا دعوی ہے کہ بعد میں آنے والا پہلے کے مشابہ ہوتا ہے۔اور عیسیٰؑ ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ان کی ماں ایک نیک عابدہ یہودی خاتون تھیں۔مزید براں یہ کہ ان کے تمام اقربا یہودیت کے اچھے علمی مقام رکھتے تھے۔بلکہ ان میں کچھ تو انبیاء بھی تھے مثلاً: زکریاؑ اور یحییٰؑ۔اور وہاں کا ماحول لکھائی پڑھائی والا تھا اور عیسیٰؑ پڑھتے بھی تھے۔

لیکن حیرت کا مقام ہے کہ انہیں معروضیت پسند مستشرقین نے مشابہت کا قانون وہاں لاگو نہیں کیا حالانکہ عیسیٰؑ نے خود فرمایا کہ:

"میں تو صرف احکام تورات کو لاگو کرنے آیا ہوں"۔

اور عیسائیت میں شریعت کی بنیاد ہی شریعت یہودیت پر رکھی گئی ہے۔"

حالانکہ اسلام کو اس قسم کی مشابہت بالکل نقصان نہیں دیتی مثال کے طور پر توحید اور رسالت دونوں کا تصور ان تمام آسمانی مذاہب میں موجود ہے۔

فرمان ربانی ہے کہ:

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى () صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (الاعلی: 18،19)

پہلا نقطہ: دین شریعت سے باہر ہے:

شاخت کے اس دعوے کے بارے یہی کہنا کافی ہو گا کہ قرآن اور صحیح حدیث ہی اس نظریہ کی مخالفت کرتی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ایک آسمانی شریعت رکھتا ہے، اس کا نظام شریعت انسانی زندگی کے تمام طبقات میں تمام لوگوں کو بہم سہولت دینے کیلئے، اور تمام نئے معاملات اور فیصلوں کو حل کرنے کے لئے ہے۔اگر ہم اس لفظ کی اصل میں جائیں تو یہ لفظ "شرع" سے ماخوذ ہے۔قرآن میں دو آیات میں یہ استعمال ہوا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ(**الشورى:13**)

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (**الجاثیہ:18**)

یہ شاخت کے اس دعوے کے بطلان کی دلیل ہے کہ شریعت خارج از دین ہے۔ جبکہ ہم شریعت اسلامی کے پہلے مصدر قرآن میں ہی دیکھتے ہیں تو وہ اس پر سے پردہ ہٹادیتا ہے۔اس کے علاوہ جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو اس میں انسانی معاشرے کے بارے میں بہت سے بنیادی قوانین ملتے ہیں۔ مثلا: بیوع، عقود، عائلی نظام اور عدالتی نظام وغیرہ

اس کے لئے آپ مندرجہ ذیل آیات دیکھ سکتے ہیں۔

1. المائدہ:6
2. الاعراف:31
3. المائدہ:3
4. المائدہ:38
5. الانفال:60
6. البقرہ:178
7. الانعام:162،163

یہ تو تھے نقلی دلائل اب ہم عقلی اور منطقی دلائل کے ساتھ اس کے اس دعوی کو دیکھتے ہیں۔

جب علاقہ، معاشرہ، اور آب وہوا وغیرہ بدلتے ہیں تو تہذیب اور تمدن بھی بدلتے ہیں، اور پھر تہذیب کے بدلنے سے قوانین، عرف اور نظام کا بدلنا لازم ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام شرعی نظام نہیں رکھتا؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کئی چیزوں کو حلال اور کئی ان چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے جو پہلے معاشرے میں پھیلی ہوئیں تھیں، کئی ایسے عرف اور معاملات لے کر آیا کہ جس کے بارے میں معاشرہ پہلے کچھ نہیں جانتا تھا، کئی جاہلیت کی بقایاجات کو منظم اور مربوط کیا اور ان کو نئی شکل بھی عطا کی، تو ان تمام باتوں کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد نبوی میں شریعت کی ضرورت بنتی ہے۔

مستشرق جوزف شاخت جب اسلام کے بارے میں سرچ کرتا ہے تو اس کے لازم ہے کہ وہ اسلام کے اصلی مصادر سے رجوع کرتا تاکہ جب بارے میں وہ بحث کر رہا ہے وہ مصدر اس بارے میں کیا کہتا ہے۔

مصطفیٰ اعظمی صاحب فرماتے ہیں کہ :

"محقق پر لازم ہے کہ (اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو) کہ وہ ان دو چیزوں میں فرق کرے کہ ایک جو نظریہ اس کا ہے اور ایک جو نظریہ اس بارے میں مسلمانوں کا ہے۔ پھر جب بات عقیدہ کی ہوتا لازم ہے کہ وہ ان کے توہمات کی بجائے ان کے اعتقادات کو دیکھے۔ یہ بات مستشرقین میں پھیل گئی ہے کہ بجائے اس بات کے کہ وہ تمام معاملات میں مسلمانوں کے پر سرچ نہیں کرتے بلکہ ایک فرضیہ قائم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہی مسلمانوں کا نظریہ ہو گا، پھر اس سے وہ عجیب وغریب احکامات سامنے لاتے ہیں۔

علاوہ ازیں بہت سے مستشرقین اسلام میں شریعت کے بارے میں شاخت کے متضاد بیان رکھتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام، قرآن اور محمد ﷺ سے شریعت صادر ہوئی ہے۔ مصطفیٰ اعظمی نے ان میں سے بعض کے اقوال نقل کئے ہیں:

گوئی ٹینکھتا ہے کہ :

"کہ جب ہم قرآن کو تقسیم کریں تو کہ پانچ بڑے حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

1۔ دعوت 2۔ غیر مسلموں سے مجادلہ 3۔ قصص الانبیا

4۔ سیرت النبی ﷺ 5۔ شریعت۔

کولسون کا بیان ہے کہ :

"اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالی ہی اصل اکیلے شریعت ساز ہیں، اس کے احکام زندگی کے تمام شعبہ جات میں غالب ہیں"

فنز جیرالڈ کہتا ہے کہ :

"اسلام یہ بتاتا ہے کہ اللہ عزت و جلال والا ہے اور وہ اکیلا شریعت ساز ہے اور اسلام کسی انسان کے شریعت ساز ہونے کی قطعی نفی کرتا ہے۔

دوسرا نقطہ: یہ دعوی کہ محمد ﷺ کے پیش نظر شریعت کی اقامت نہیں تھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں میں یہ لاگو نہیں رہا:

سب سے پہلے قرآن و حدیث ہی اس کے اس دعوے کا بطلان کریں گے۔ اس کے بعد تاریخی حقائق بھی شاخت کے نظریہ کو غلط کہتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل:44)

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:157)

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بناتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اوامر ونواہی کیلئے صرف قرآن نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ بھی ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر:7)

اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

تیسرا نقطہ: صحابہ، تابعین اور تبع تابعین پر وضع حدیث کا الزام:

شاخت نے یہ دعوی بھی کیا کہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین بلکہ علمانے بھی احادیث گھڑیں اور ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دیں۔ اور کتب احادیث میں ایسی ہی روایات کی بھرمار ہے۔ خاص طور پر جب عہد خلافت راشدہ میں نئے علاقے فتح ہوئے تو نئے مسائل کے حل کے لئے اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے اور کوئی مدون اور مکمل قانون نہیں بنا کر دیا تو ایسے میں دوسری صدی ہجری میں محدثین کھڑے ہوئے اور احادیث بنائیں۔ اور اسی سے مختلف فقہا کے مکتبہ فکر کا ظہور ہوا۔

چوتھا نقطہ: حکومت وقت کی تائید میں علما کا احادیث کو وضع کرنا:

شاخت کا یہ بھی دعوی ہے کہ علمانے اموی اور عباسی خلافت کے عہد میں صرف حکام کو خوش کرنے کے لئے احادیث گھڑیں۔ اگر ہم شاخت کا یہ دعوی سچ مان لیں تو سوال اٹھتا ہے کہ پھر وہ احادیث کہاں ہیں جو من گھڑت ہیں۔ جبکہ ہم تاریخ شاہد ہے کہ علمانے تو احادیث کی حفاظت کے لئے انتہائی اقدام اٹھانے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اور وحکام بھی علما سے اس لئے نہیں بگاڑتے تھے کیونکہ لوگ علما کی باتیں مانتے تھے اور علما کو اپنے خلاف بھڑکانا اصل میں عوام کو اپنے خلاف بھڑکانا تھا۔

اور اس کے علاوہ علما بھی ان لوگوں کو اچھا خیال نہیں کرتے تھے جو علما کو حکام کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ البتہ کچھ علما میں ایسا ہوا بھی تھا۔ مثال کے طور پر سعید بن مسیب رحمۃ اللہ اور اب کی عبدالملک بن مروان سے دشمنی اور حجاج بن یوسف سے کئی علما کا سزائیں پانا۔ لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ احادیث گھڑا کرتے تھے اور نا ہی تاریخ میں کوئی ایسی بات موجود ہے۔ اموی حکام کی شیعہ اور خوارج سے دشمنی تو کتب تاریخ میں ملتی ہے لیکن کیا شاخت یہ ثابت کر سکتا ہے کہ شیعہ یا خوارج نے احادیث جمع کیں ہوں، ان کی تنقیح کی ہو، ان میں صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا ہو، یا پھر جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا وہ شیعہ یا خوارج کے گروہوں سے تھے۔ ایسے علما کے تذکرے تو کتب میں موجود ہیں مثلا: زہری، عطا بن ابی رباح، مجاہد، عبید بن عمرو، عبداللہ بن ابی الملیکہ، حسن بصری، ابن سیرین، نخعی، خولانی، علقمہ، یزید بن ابی الحبیب، لیث بن سعد اور دوسرے محدثین۔

شاخت کا دعوی کہ احادیث کو بے اصولی سے وضع کیا گیا ہے:

پچھلی بحث میں ہم یہ واضح کیا کہ شاخت کا یہ دعوی ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں یہ تمام احادیث گھڑی گئی ہیں۔ اور واضعین نے ان کی اسناد بھی گھڑی ہیں تا کہ اس کو ثابت کر سکیں بلکہ ان میں جتنے لوگوں کے نام ہیں ان سب نے ان کو روایت کیا ہی نہیں تھا یا یہ صرف برائے شخصیات ہیں۔

اب ہم شاخت کے اس دعوی کا مناقشہ کریں گے۔ شاخت کا تو یہ دعوی لیکن حقیقت اس کے علاوہ کچھ اور ہی ہے۔ کیوں کہ اسانید کو بیان کرنے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام ہی سے شروع ہو گیا تھا۔

بلکہ قرآن بھی اللہ کا کلام ہے جو بواسطہ جبرئیل رسول ﷺ کو ملا اور ان کے واسطہ سے صحابہ کو ملا۔ پھر انہوں نے اس کو اسانید کے ساتھ بیان کر دیا۔

پہلا نقطہ: وضع اسانید میں بے اصولی کا دعوی اور یہ کہ احادیث بعد میں گھڑی گئی ہیں۔

دوسرا نقطہ: محدثین کے نقد و جرح کے منہج پر اعتراض اور یہ کہ ان کی دلچسپی نقد سند پر نقد متون کی وجہ سے تھی۔

اکثر مستشرقین کی عادت ہے کہ وہ محدثین کے کام میں کمی و کمزوری نکالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ محدثین نے اسناد پر نقد اس لئے کیا تاکہ متون میں کمزوریوں پر پردہ ڈال سکیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ان کے اس دعوی میں کتنی صحت ہے یہ بات وہ خود ثابت کریں گے۔

دوسری بات یہ کہ کیا محدثین کے منہج کے مطابق اسناد پر نقد متن پر نقد سے روکتا ہے۔

دوسری فصل: سنت کے متعلق شاخت کی آراء

پہلی بحث: شاخت کا دعوی کہ مسلمانوں کے ہاں رسول ﷺ کا افعال میں معصوم نہ ہونا:

جوزف شاخت کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی نظر میں ان کے نبی ﷺ کے افعال میں خطا کا امکان پایا جاتا تھا اور ان میں ایک سے زیادہ مرتبہ نقد بھی کیا گیا۔ اور اس کے اس رائے رکھنے کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ افعال تشریعی نہیں تھے۔ اگرچہ ان کا تعلق دینی امور سے ہی کیوں نہ ہو۔

چناچہ کہتا ہے کہ:

"ومن اول الامر لم توضع حجية النبى فى الاسلام موضع الشک، حتى فى الامور التى لم ينص عليها الكتاب، و لكن فى الوقت نفسه كانت افعاله تعتبر بشرية بحتة حتى ما مس منها امور الدين، فكانت بهذا لا تعتبر معصومة من الخطا، و نقدت هذه الافعال اكثر من مرة، و كان الكتاب نفسه يلومه احيانا على بعض افعاله"

ابتدائے اسلام میں نبی ﷺ کی حجیت پر اسلام میں شک نہیں کیا جاتا تھا حتی کہ جن امور پر قرآن میں کوئی نص نہیں ہے لیکن اس وقت بھی آپ کے افعال کو محض بشری افعال ہی سمجھا جاتا تھا اگرچہ ان کا تعلق امور دین سے ہی ہو۔ یہ اس لئے تھا کیونکہ ان کو خطا سے معصوم نہیں مانا جاتا تھا، پھر ان پر قرآن میں کئی جگہ نقد کیا گیا۔

اب ہم اس بارے میں صحیح بات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ کیا واقعی مسلمانوں کے ہاں آپ ﷺ کے افعال غیر معصوم تھے؟

دوسری بات یہ کہ کیا قرآن نے آپ ﷺ کے افعال کی توثیق نہیں کی؟

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ شاخت کا مندرجہ بالا بیان میں شاخت اپنے ایک ہی قول میں تضاد رکھتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی حجیت پر شک نہیں کیا جاتا تھا اور پھر کہتا ہے کہ ان افعال کو معصوم عن الخطا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

پھر اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے افعال پر کئی مرتبہ نقد کیا گیا تو میں پوچھتا ہوں کہ ان پر نقد کس نے کیا؟ اگر کسی صحابی نے تو نقد کرنے والے پر کفر صادر آتا ہے۔ اسی لئے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا طریقہ تھا کہ جیسے ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ فعل رسول تھا اس کو سرانکھیوں پر رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کے افعال کی دو قسمیں تھیں:

1۔ آپ ﷺ نے اس کو بطور شریعت کیا

2۔ معمول کے کاموں کو کرنا جس کے بارے میں قرآن میں حکم آیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الاَمْرِ (آل عمران:159)

اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

دوسرا نقطہ: کیا ہمیشہ قرآن کی توثیق سنت سے ہو گی؟

شاخت کا کہنا ہے کہ:

"و اذا کان الجانب الاکبر من الفقه ينهض على سنة محمد، مقد اعتبر المسلمون ان السنة منزهة عن الخطا، و من الصعب ان تجد هذا لراى فى القرآن"

"اور جب فقہ کا بہت بڑا حصہ سنت کے خلاف کھڑا ہوا تو مسلمانوں نے اعتبار کر لیا کہ سنت خطا سے پاک ہے اور یہ بات قرآن سے ملنا مشکل ہے۔"

اب یہاں بھی شاخت کا یہ قول اس کے سابقہ قول کے منافی ہے: یعنی پہلے قول میں مسلمانوں کے ہاں معصول عن الخطا نہیں اور اس قول میں معصوم عن الخطا ہیں۔

اور اس کا یہ کہنا کہ یہ قرآن میں سے ملنا مشکل ہے تو ہماری عرض ہے کہ اللہ کا فرمان ہے کہ:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"(الحجر:9)

ہم نے ہی ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

دوسری بحث: شاخت کا دعوی کے بعض فقہی مسالک سنت کے بالمقابل ہیں۔

تیسری بحث: شاخت کا دعوی کہ عہد شافعیؒ سے قبل سنت مصدر شریعت نہیں تھی

چوتھی بحث: شاخت کا دعوی کہ احکام کے ثبوت میں سنت مستقل مزاج نہیں ہے۔

خاتمہ:

شاخت کے ہم خیال مسالک کا مختصر تذکرہ اور ان میں بنیادی غلطیاں:

شاخت نے اپنی کتاب میں جو دعوے کیے ہیں وہی دعوے اس کے ساتھ اور بھی بہت سے گروہوں نے کئے لیکن ان میں سب مختلف مناہج پر چلے جس کی وجہ سے ان کو غلطی لگی۔ان کی بنیادی غلطیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

بنیادی غلطیاں:

1۔ علمی تحقیق سے ہٹ جانا اور ایک ہی مغالطہ کو پکڑ لینا
2۔ پہلی اسلامی معاشروں کی غلط تصویر پیش کرنا پھر ان کو بطور دلیل پیش کرنا
3۔ اپنے ہی اقوال میں تضاد
4۔ الفاظ کے غلط معنی مراد لینا
5۔ کذب بیانی کرنا

نتائج البحث:

بحث کے دوران ریسرچر جس نتیجہ تک پہنچا وہ یہ ہے۔

- میرے مطابق شاخت کو اصل میں مغالطہ یہاں سے ہوا کہ جب اس نے سنت کے بارے میں یہ سمجھا کہ یہ عرب کے جاہلانہ معاشرے کی سنت ہے۔
- یہ ثابت ہوا کہ سنت اسلام کا دوسرا بنیادی مصدر ہے۔
- یہ ثابت ہوا کہ اسناد محمد ﷺ کے دور میں بھی ہوا کرتی تھیں اور یہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کا ایجاد نہیں ہیں۔
- شاخت کی دی ہوئی مثالیں اسی کے نظریہ کے مخالف جاتی ہیں کیوں کہ اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ اسناد میں دئے گئے ناموں کے پیچھے کوئی شخصیات ہیں ہی نہیں۔اور پھر خود اس نے ان لوگوں کو ثابت کیا۔

- مسلم علما کے بارے میں روایات میں نقد کے حوالے سے شاخت کا انکار میں بھی غلطی ہوئی کیونکہ یہ اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ وہ اسلام کے آخری دور میں ہوا کیوں کہ یہ سب صحابہ کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا۔
- اس کا محدثین پر یہ اعتراض کہ محدثین کا منہج غلط تھا کیوں کہ انہوں نے ثقہ راویوں سے دوسرے کی ثقاہت ثابت کی ہے۔اور احادیث کی جانچ میں کوئی ایسا طریقہ نہیں چھوڑا جو ہو سکتا ہو۔
- اس کا یہ دعوی بھی درست نہیں کہ احادیث نے بعد میں پرورش پائی۔کیونکہ یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہے نہ کہ کسی اور کے۔اور جو دوسروں کے اقوال ہیں وہ علیحدہ ہیں۔